بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نظرات

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی زیر صدارت کراچی میں ادارہ معارف اسلامی ——— (ISLAMIC RESEARCH ACADEMY) قائم ہے۔ ماہنامہ "چراغ راہ" نے اب یہ خدمت اپنے ذمّے لے لی ہے کہ وہ ادارہ کی علمی سرگرمیوں سے ابنائے وطن کو مطلع کرے اور اس کے پیغام کو اُن تک پہنچائے۔ ادارہ معارف اسلامی کے نقیب (ORGAN) کی حیثیت سے "چراغ راہ" کا جو پہلا شمارہ نکلا ہے، اس کے اداریے میں آج وقت کی اہم ترین ضرورت کے ضمن میں یہ لکھا گیا ہے:

"آج کی دنیا میں جو مسائل پیدا ہوئے ہیں، خصوصیت سے معیشت، معاشرت، سیاست اور قانون کے میدانوں میں جو نئی پیچیدگیاں رونما ہوئی ہیں، ان کا مطالعہ بیدار ذہن کے ساتھ اور بالغ نظری کے ساتھ کیا جائے اور پوری وضاحت کے ساتھ بتایا جائے کہ اسلام کے اصولوں کو زمانۂ حال کے مسائل و معاملات پر منطبق کر کے ایک صالح اور ترقی پذیر تمدن کی تعمیر کس طرح ہو سکتی ہے اور اس میں ایک ایک شعبۂ زندگی کا عملی نقشہ کیا ہوگا۔ اسلامی اصولوں کی روشنی میں آج کا سیاسی نظام کیا ہوگا، معیشت کا ڈھانچہ کیسے بنے گا۔ سود کیونکر ختم کیا جا سکے گا۔ اخلاقی اور معاشی ترقی میں مطابقت کس طرح پیدا کی جائے گی۔ قانون تجارت، قانون فوج داری، قانون شہادت وغیرہ کی شکل کیا بنے گی۔ بین الاقوامی سیاست کے ضابطے کیا ہوں گے۔ معاشرتی زندگی کی گتھیوں کو کس طرح سلجھایا جائے گا غرض جو علمی مسائل آج مسلم معاشرہ کو درپیش ہیں، انہیں اسلام کی رہنمائی میں کس طرح حل کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح خیالات کو بدلنے کے ساتھ ساتھ زندگیوں کے رُخ کو تبدیل کیا جا سکے گا اور وہ تہذیبی نظام قائم ہو سکے گا، جو اسلام کرنا چاہتا ہے۔"

اس سے کچھ اوپر اداریہ نگار صاحب نے لکھا ہے :۔ "آج کی بہت بڑی ضرورت یہ ہے کہ غلامانہ ذہنیت کو ترک کر کے مغربی افکار کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کی غلطیوں کو صاف الفاظ میں بیان کیا جائے اور جو کچھ اس میں صحیح ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام علوم کو اسلام کی دی ہوئی اقدار پر مرتب اور مدون کیا جائے اور صحیح سمت میں ان کو ترقی دی جائے۔ اسلام کا نقطۂ نظر بڑا وسیع ہے۔ وہ تمام علوم و فنون کی ترقی چاہتا ہے اور اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ یہ ترقی صحیح بنیادوں پر اور صحیح سمت میں ہو۔"

ادارہ معارف اسلامی کے ان مقاصد و عزائم کا ہم صدق دل سے خیر مقدم کرتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ آج ہمارے ہاں جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں، اور آگے چل کر جب ہماری معیشت صنعتی ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے ہماری معاشرت میں بھی لامحالہ بنیادی تبدیلیاں رونما ہوں گی، تو اس وقت ان سے کہیں زیادہ سنگین اور پیچیدہ مسائل ہمارے ہاں پیدا ہوں گے، غرض ان سب مسائل کو حل کر کے ملّت کو شاہراہ حیات پر آگے بڑھنے کے صرف اسی طرح ہی قابل بنایا جا سکتا ہے۔

جب ہم نے مغربی معیشت اور ٹکنیک اختیار کر لی، مغربی سیاست کو اپنا لیا، مغربی معاشرت ہمارے ہاں در آئی ہے۔ ہم مغرب کے علوم و فنون حاصل کرتے ہیں، مغربی اثرات ایک سیلاب کی طرح ہمیں احاطہ کر رہے ہیں۔ ہماری صبح و شام کی زندگی کے علاوہ ہمارے ذہن تک ان سے محفوظ نہیں رہے تو اس صورت میں مغربی افکار کا مطالعہ نہ کرنا اور یہ سمجھ لینا کہ صرف اسی طرح اسلام اور اسلامیت بچ سکتی ہے، کہاں کی عقل مندی ہے ؟ ہاں مغربی افکار کا مطالعہ غلامانہ ذہنیت کے ساتھ نہیں ہونا چاہیئے! انہیں تنقیدی نظر سے جانچنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اس طرح ان کی غلطیاں واشگاف ہو جائیں اور ان میں جو صحیح باتیں ہوں، ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ادارہ معارف اسلامی کے مقاصد میں اس چیز پر بجا طور پر زور دیا گیا ہے اور اس کا یہ جرأت مندانہ اقدام ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے۔

ایک اچھی بات یہ ہے کہ "چراغ راہ" کے اس اداریے میں زمانے کو پیچھے کی طرف لوٹنے کی دعوت نہیں دی گئی اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ ہمارے ہاں زندگی کے جو نقشے پہلے مرتب ہو چکے ہیں، من و عن انہی پر آج اور کل کی زندگی کو منطبق کرنا ہوگا۔ اور یہ کہ دین اسلام کے اصول و مبادی کی طرح قانون اسلامی کی ہر جزئی سی جزئی تفصیل بھی مکمل ہو چکی ہے اور اب اسے صرف نافذ کرنا باقی ہے۔ اس اداریے میں تمام تر زور مستقبل پر ہے۔ یعنی شعبۂ زندگی کا عملی نقشہ کیا ہوگا۔

سیاسی نظام کیا ہوگا۔ معیشت کا ڈھانچہ کیسے بنے گا۔ قانون تجارت، قانون فوجداری، قانون شہادت وغیرہ کی شکل کیا بنے گی۔ بین الاقوامی سیاست کے ضابطے کیا ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں بنی بنائی پہلے سے موجود نہیں ہیں۔ پیدا ہونے والے مسائل کا بیدار ذہن اور بالغ نظری کے ساتھ مطالعہ کر کے اسلام کے اصولوں کے تحت انہیں تشکیل کرنا ہوگا۔

جہاں تک ادارہ معارف اسلامی کے ان مقاصد و عزائم کا تعلق ہے، ان کی افادیت اور شدید ترین ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر دنیا کے بڑی سرعت سے بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کو اپنا مقام قائم رکھنا اور تاریخ کی رَو میں نسیاً منسیاً نہیں ہونا۔ تو اس کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ بجائے ماضی پر سراسر تکیہ کرنے کے مستقبل سے عہدہ برآ ہونے کی بھی کوشش کی جائے اور اسلام کی ابدی قدروں کو مشعل راہ بنا کر زندگی کی نئی تشکیل ہو۔ اس کے لئے نہ صرف مغربی افکار کا مطالعہ کرنا ہوگا، بلکہ گزشتہ تین چار سو سال میں مغرب نے علوم و فنون، سائنس و تکنیک، معیشت و معاشرت اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو حیرت انگیز ترقیاں کی ہیں، ان سب کو "عین السخط" سے دیکھنے کے بجائے، جس کے ہم سب عادی ہو چکے ہیں، ایک حد تک "عین الرضا" سے دیکھنے کی ہمت کرنا ہوگی، اور یہ آسان کام نہیں۔ کیونکہ اس میں سب سے پہلی قربانی جو دینی پڑتی ہے، وہ عوامی ہر دلعزیزی کی ہے، جس کے لئے ہم میں سے کم ہی حضرات تیار ہوتے ہیں۔

آج سے کوئی تیس سال قبل جب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تبلیغی اور تصنیفی زندگی کا آغاز فرمایا تھا، تو ان کے پیش نظر کم و بیش یہی مقاصد تھے، جن کا ذکر "چراغ راہ" کے اداریے میں کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر موصوف کے اس زمانے کے چند ایک ارشادات ملاحظہ ہوں:-

"ہماری تحریک ارتجاعی (REACTIONARY) نہیں، آگے چلنے والی ہے۔ ہماری نسبت یہ خیال نہ کیا جائے کہ دنیا اس وقت تمدن کے جس مرتبے پر ہے، ہم اس سے رجعت کر کے اس تمدنی مرتبہ پر واپس جانے کے خواہش مند ہیں، جو عرب میں ساڑھے تیرہ سو سال پہلے تھا۔"

"اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ ہم جیتے جاگتے آثار قدیمہ بن کر رہیں اور اپنی زندگی کو قدیم تمدن کا ایک تاریخی ڈرامہ بنائے رکھیں۔ وہ ہم کو قالب نہیں، بلکہ روح دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ زمان و مکان کے تغیرات سے زندگی کے جتنے بھی مختلف قالب قیامت تک پیدا ہوں، ان سب میں یہی روح بھرتے جائیں۔"

مغربی علوم و فنون کے بارے میں مولانا نے فرمایا تھا: "مغربی علوم و فنون بجائے خود سب کے سب مفید ہیں

اور اسلام کو ان میں سے کسی کے ساتھ دشمنی نہیں، بلکہ ایجاباً میں یہ کہوں گا کہ جہاں تک حقائق علمیہ کا تعلق ہے، اسلام ان کا دوست ہے اور وہ اسلام کے دوست ہیں۔"

"علوم اسلامیہ کو بھی ان کی قدیم کتابوں سے جُوں کا تُوں نہ لیجئے، بلکہ ان میں سے متاخرین کی آمیزشوں کو الگ کر کے اسلام کے دائمی اصول اور حقیقی اعتقادات اور غیر متبدل قوانین لیجئے۔۔۔۔ قرآن اور سنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے۔ مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔"

اسلامی شریعت کو عام طور سے جس طرح پیش کیا جاتا ہے، اس کی نسبت مولانا نے اس زمانے میں لکھا تھا:۔

"۔۔۔۔ اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کی بجائے عہد گزشتہ کی تاریخ بن کر رہ گیا ہے۔"

مسلمانان ترکی کے مذہب سے برگشتہ ہونے کا ذمّہ دار مولانا نے ترکی کے علماء و مشائخ کو قرار دیا تھا، کیونکہ "۔۔۔۔ ۔۔۔ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا۔۔۔۔۔ وہ ابھی تک اصرار کر رہے تھے کہ ترکی قوم میں وہی فقہی قوانین نافذ کئے جائیں گے۔ جو شامی اور کنز الدقائق میں لکھے ہوئے ہیں۔۔۔ پرانے مذہبی خیال کے لوگ نوجوان ترکوں پر کفر و فسق کے فتوے لگا رہے ہیں مگر ان کو خبر نہیں کہ نوجوان ترکوں سے زیادہ گنہگار تو ترکی علماء و مشائخ ہیں۔"

مولانا مودودی نے علماء کرام کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ ہدایہ اور بدائع کے زمانۂ تصنیف میں نہیں، بلکہ نت نئی سائنٹفک ایجادات اور تیز رفتار تمدنی انقلابات کے دور میں رہتے ہیں اور یہ کہ" رہنمائی کے لئے علماء اسلام میں وسعت نظر اور روح اجتہاد کی ضرورت ہے۔ قدم قدم پر عالمگیری اور تاتارخانی کو لا کر سدّ راہ بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نئے زمانے کا مسلمان قرآن و حدیث کو پیچھے چھوڑ کر جدھر منہ اٹھے گا، چل نکلے گا، جس طرح ترک اور ایران چل نکلے۔"

مولانا مودودی آج سے کوئی تیس سال پہلے یہ دعوت لے کر اُٹھے تھے، اور چونکہ اس دعوت کی راہ بڑی خار زار تھی، وہ کچھ دور تو اس پر چلے، لیکن جلد ہی وہ اس راستے پر ہو لئے، جس میں تھوڑی بہت تکلیفیں تو بے شک ہوتی ہیں، لیکن ان کے صلے میں عوام میں ہر دلعزیزی ضرور حاصل ہوتی ہے۔ اور امیر، قائد اور مجدد کے القاب بھی مل جاتے ہیں۔ حالانکہ اس راہ پر قدم رکھنے والے کو ملحد، زندیق اور معلوم نہیں، کیا کیا کچھ سننے کے لئے تیار رہنا ہوتا ہے، اور وہ اس لئے کہ جب آپ پہلی راہوں سے الگ اپنے لئے ایک راہ اختیار کرتے ہیں تو لازماً ان راہوں پر چلنے والے آپ کو گمراہ کہیں گے۔ اور عوام میں آپ کو ہر دلعزیزی حاصل نہیں ہو پائے گی۔

مولانا مودودی یہ راہ خارزار چھوڑ کر سیاست یا زیادہ واضح الفاظ میں" اسلامی سیاست" میں آگئے اور جن بلند آہنگ دعاوی کے ساتھ انھوں نے ۱۹۳۷ء - ۱۹۳۸ء میں اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز کیا تھا، وہ ایک داستان ماضی بن کر رہ گئے۔ اب ادارہ معارف اسلامی قائم کر کے مولانا موصوف پھر ادھر متوجہ ہوئے ہیں، اور ہم ان کا سچے دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ عملی اور حزبی سیادت جس کے مولانا ایک ممتاز قائد ہیں، اور اس طرح کی اسلامی تشکیل نو کے کام ایک ساتھ نہیں ہو سکتے۔ اوّل الذکر کے لئے عوام کی خواہشات کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں عوام قائد کے ارد گرد جمع ہو سکتے ہیں، اور اسلامی تشکیل نو کے لئے عوام اور عوام میں اثر رکھنے والے علماء کی برافروختگی بھی مول لینی پڑتی ہے۔ اپنی اس بات کے ثبوت میں ہم خود مولانا کی ۱۹۴۳ء سے کر اب تک کی زندگی پیش کر سکتے ہیں۔ موصوف کو عوام میں ہر دلعزیز ہونے کے لئے وہ سب کچھ کرنا پڑا، جو ہمارے نزدیک ان کی طبیعت اور ان کے ذہن پر حد سے زیادہ گراں تھا، لیکن ایسا کرنا ان کے لئے لازمی تھا، کیونکہ اس کے بغیر عوامی قیادت کبھی میسر نہیں ہو سکتی تھی۔ احمدی ایجی ٹیشن، غلاف کعبہ کے جلوس اور علماء کے متحدہ محاذ وغیرہ کے بارے میں مولانا کا رویہ اس کی مثالیں ہیں۔ اب اگر مولانا مودودی نے ادارہ معارف اسلامی کی صدارت اور اپنی مخصوص سیاسی جدوجہد ایک ساتھ جاری رکھنی چاہی، تو ان کی سیاسی جدوجہد کا المناک انجام تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں، بدقسمتی سے ادارہ مذکور بھی کوئی بہتر نتائج پیدا نہیں کر سکے گا اور اس کے "نقیب" "چراغ راہ" کا پہلا شمارہ تو یہی بتاتا ہے کہ ادارہ اس تضاد کو قائم رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سے فکری تجدید اور زندگی کی تشکیل نو کی راہ بڑی مشکل رہی ہے۔ اس لئے ہماری بڑی بڑی انقلابی شخصیتیں یا تو جمہور کی قدامت پسندی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئیں اور وہ تھوڑی بہت تجدید پر قانع ہو کر رہ گئیں، یا انھوں نے علم بغاوت بلند کر کے ملّتِ اسلامیہ میں اپنے الگ الگ فرقے بنا لئے، اس طرح جمہور کی سند اُن کے لئے حجت دینی نہ رہی اور تجدید و تشکیل نو کے لئے اُن کو آزادی مل گئی۔

گزشتہ صدی کے اواخر اور اس صدی میں اکثر مسلمان ملکوں میں جب بھی اصلاحی اور تجدیدی تحریکیں شروع ہوئیں، تو علماء اور ان کے زیر اثر عوام کی ایک بڑی تعداد نے ان کی مخالفت کی اور ان تحریکوں کے بانیوں کو یا تو غیر ملکی عناصر سے جو اس وقت ان اسلامی ملکوں پر قابض تھے، اخلاقی اور مادی مدد لینی پڑی اور اس طرح وہ پنپ پائیں یا خود بعض اسلامی ملکوں کے مسلمان حکمراں طبقے ان کی پشت پناہ بنے، اور انھوں نے تجدید و تشکیل نو

کی ان کوششوں کو جمہور اور ان کے مذہبی رہنماؤں، علماء و مشائخ کی آتش انتقام سے محفوظ رکھا، اور وہ آگے بڑھ سکیں۔ زاروں کے روس میں اکثر روسی افسر ہی نئی تعلیم پھیلانے والے مسلمان مصلحین کو عوام مسلمانوں کی دست درازیوں سے بچاتے تھے۔ اس برّصغیر میں سر سید اور ان کے ساتھیوں کو اپنے مشن کی کامیابی میں انگریزوں سے بڑی مدد ملی، اور مصر میں جب شیخ محمد عبدہ نے اپنی تجدیدی دعوت شروع کی، تو اس وقت کی سب سے بڑی عوامی سیاسی جماعت ان کے مخالف ہو گئی، کیونکہ عوام کو خوش رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا۔ علماء تو ان کے دشمن تھے ہی اور خدیو مصر بھی ان کے خلاف ہو گیا۔ یہ انگریز ہائی کمشنر لارڈ کرومر تھا، جس نے شیخ محمد عبدہ کو پناہ دی، اور وہ مصر میں کچھ اصلاحی و تجدیدی کام کر سکے۔

بات یہ ہے کہ یورپ میں نشاۃ ثانیہ، مذہبی اصلاح کی تحریکات، مذہبی جنگوں، چرچ کی سیادت کے خلاف مفکرین کی فکری بغاوتوں، اس کے بعد انقلاب فرانس اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات و حالات نے وہاں کے عوام کو بہت کچھ بدل دیا تھا، اور ان کے خود اندر سے ایسے طبقات پیدا ہو گئے تھے، جو تبدیلی چاہتے تھے نئی زندگی کے خواہش مند تھے، توسیع و اقدام کے لئے بے تاب تھے۔ جمود و فرسودگی سے متنفر تھے اور اس کا پھل بھی چکھ چکے تھے۔ اس لئے گزشتہ چند صدیوں میں یورپ میں جو بھی فکری، معاشرتی اور تہذیبی تبدیلیاں آئیں۔ ان کے پیچھے وہاں کے حکمراں طبقوں سے بڑھ کر عوامی طاقتیں تھیں، کیونکہ یورپ کے مذکورہ بالا انقلابات پہلے سے انہیں وجود میں لانے کا باعث بن چکے تھے، لیکن ہمارے ہاں اب تک یہ منزل نہیں آئی اور اس کے ٹھوس تاریخی اسباب ہیں، کیونکہ ہمیں عوام کو ان کے تمام ماضی پرستانہ خیالات اور توہمات سے صرف نظر کر کے غیر ملکی اور غیر مسلم حکومتوں سے لڑنے کے لئے منظم کرنا پڑا، اور اب ان سے یہ توقع کرنا کہ ان کا یہاں وہی تجدیدی کردار ہو، جو مثال کے طور پر یورپ میں تھا، نامناسب ہے۔

مسلمان ملکوں میں عوام کی اکثریت نہیں، بلکہ ایک تعلیم یافتہ فعال اقلیت ہے، جو نئے زمانے کی ضرورتوں کا صحیح شعور رکھتی ہے، اسے جمہور علماء سے نمٹنا ہے۔ عوام کی اکثریت کی بے حسی کو دور کرنا ہے۔ مغرب کی غلامانہ تقلید کرنے والوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ بہرحال اسی اقلیت کو وہ راہ ہموار کرنا ہے، جس پر چل کر وہ علمی مسائل جو آج مسلم معاشرے کو درپیش ہیں، اسلام کی رہنمائی میں حل کئے جا سکتے ہیں۔

آج ادارہ معارف اسلامی جیسے ادارے اس تعلیم یافتہ فعال اقلیت کے تعاون سے ہی وہ مہم سر کر سکتے

ہیں، جو اُس نے اپنے لئے معین کی ہے، لیکن کیا اس کے صدر مولانا مودودی صاحب اس خارزار پر چلنے کے لئے تیار ہیں، جیسے وہ مشکل سمجھ کر آج سے تیس سال پہلے چھوڑ گئے تھے۔

علامہ اقبال کے الفاظ میں یورپ حسب ذیل مراحلِ ارتقاء و انقلاب طے کر چکا ہے :-

دیکھ چکا المنی شورشِ اصلاح دیں جس نے نہ چھوڑے کہیں نقشِ کہن کے نشاں
حرفِ غلط بن گئی عصمتِ پیرِ کنشت اور ہوئی فکر کی کشتیٔ نازک رواں
چشمِ فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملّتِ رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں

یہ بیان کرنے کے فوراً بعد علامہ مرحوم نے فرمایا تھا کہ "روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب"، اور یہ کہ اس بحر کی تہ سے کچھ اُچھلے گا اور گنبد نیلوفری رنگ بدل کر رہے گا۔

دنیا کے تمام مسلمان ملکوں کو یہ "اضطراب" ایک ایک کر کے انہی مراحلِ ارتقاء و انقلاب کی طرف لے جا رہا ہے۔ ترکی نے اس میں سبقت کی۔ ایران بھی کم و بیش انہی راہوں پہ چلا۔ اب مصر، شام اور عراق بھی اسی سمت رواں ہیں اور سعودی عرب کو خواہ وہ کتنا ہی اس کے لئے تیار نہ ہو آخر میں ادھر ہی جانا پڑے گا۔ اور تو اور افغانستان جیسا ملک جو علیحدگی پسندی اور قدامت پرستی میں ضرب المثل تھا، آج بڑی سرعت سے جدیدیت کو اپنا رہا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں جمہور علماء کا پورے کا پورا طبقہ سوائے چند ایک مستثنیات کے اس ارتقاء و انقلاب کی راہ کو جسے تاریخی عوامل نے حتمی و ناگزیر بنا دیا ہے، روکے کھڑا ہے، اور اس خوش فہمی میں ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد بعض مخصوص حالات کی وجہ سے اس طبقے کو عوام میں جو غیر معمولی رسوخ حاصل ہو گیا ہے اس کی بناء پر وہ پاکستان میں اپنا تسلّط قائم رکھنے میں کامیاب ہو جائے گا خواہ پوری اسلامی دنیا سے یہ تسلّط ختم ہو جائے۔

اب ایک طرف جمود و رجعت پرستی ہے اور دوسری طرف ارتقاء و انقلاب کے مقتضیات و محرکات۔ کون کس طرف جاتا ہے، آج دیکھنا یہ ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہو گا کہ مستقبل کس کا ہے۔